علامہ اقبالؒ اور تصور پاکستان

محمد ریاض

علامہ محمد اقبال (۹ نومبر ۱۸۷۷ء تا ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء) نے اپنی شعوری زندگی کا بیشتر حصہ تحریک پاکستان کی فکری اور عملی رہنمائی میں بسر کیا۔ مسلمان کئی سالوں کی سوچ بچار کے بعد برصغیر میں اپنی حیثیت کو مستحکم کرنے اور اپنا جداگانہ وجود منوانے کے لیے دراصل ۱۹۰۶ء میں زیادہ متوجہ ہوئے کیونکہ ۱۹۰۵ء میں تقسیم بنگال کی تکمیل کی وجہ سے سخت احتجاج برپا کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں مسلمان دسمبر ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی تنظیم کا پلیٹ فارم تشکیل دینے پر آمادہ ہوئے۔ اقبالؒ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک تین سال کے لیے اعلیٰ تعلیم کی غرض سے یورپ میں مقیم رہے۔ ۱۹۰۸ء میں البتہ جب لندن میں سید امیر علی مرحوم (م ۱۹۲۸ء) کے اہتمام سے مسلم لیگ کی ایک شاخ قائم کی گئی، تو اقبال اس کے ایک رکن بن گئے اور ان کی یہ رکنیت ممتاز اور دائمی رہی کیونکہ وہ پھر زندگی کے آخری لمحات تک مسلم لیگ کے رکن ہی رہے[1]۔

۱۹۰۸ء میں اقبال نے یورپ سے مراجعت کی اور اس کے بعد ان کی شاعری اور تحریروں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جس کا بڑا مقصد مسلمانوں کو اپنے ملی تشخص سے روشناس کرانا، اسلامی تعلیمات کی رو سے انہیں فرد اور معاشرے کی نشوونما کے اصول سمجھانا اور دین و سیاست کی وحدت کی تلقین کرنا تھا۔ انہوں نے یورپ جانے سے قبل ۱۹۰۴ء میں "قومی زندگی" کے عنوان سے ایک مقالے میں ان امور پر مدلل صورت میں لکھا تھا مگر اب ان کی نثر و نظم کا یہ ایک خاص موضوع بن گیا۔ البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ اقبال سیاسی نظریہ وطنیت، متحدہ قومیت یا مخلوط طریقہ انتخاب کے کبھی حامی نہ ہوئے۔ انہیں اپنے وطن برصغیر کی سرزمین اور یہاں کے لوگوں سے طبعی محبت و ہمدردی رہی اور انہوں نے یہاں کے باشندوں خصوصاً ہندوؤں اور مسلمانوں کو صلح و آشتی سے رہنے کی تلقین کی۔ انہوں نے وطن کی محبت کے راگ الاپے جس سے وطنی قومیت کا انعکاس ہوتا ہے مگر یورپ کے وطنی قومیت کے تصور کے مضرات سے وہ بہت بیزار اور دلگیر ہو کر لوٹے تھے۔ اس لیے

یورپ سے اقبال کی مراجعت کے چند ماہ بعد جب منشی غلام قادر فرخ امرتسری نے "مزوا" نام کی ہندو، مسلم اور سکھوں کی انجمن میں شرکت کے لیے انہیں دعوت دی، تو انہوں نے ۲۸ مارچ ۱۹۰۹ء کے اپنے خط میں لکھا:

> میرا یہ نظریہ رہا ہے کہ اس ملک سے مذہبی اختلافات اٹھ جانے چاہئیں اور میں اپنی نجی زندگی میں اس اصول پر کاربند ہوں مگر اب میں سوچتا ہوں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنا اپنا قومی تشخص ایک دوسرے سے الگ برقرار رکھیں۔ ہندوستان کے لیے ایک مشترک قومیت کا تصور بجائے خود نہایت حسین اور شاعرانہ کشش کا حامل ہے تاہم موجودہ حالات اور دونوں قوموں کے نادانستہ رجحانات کے پیش نظر وہ ناقابل عمل ہے [۲]۔

منقولہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ ۱۹۰۹ء میں اقبال برصغیر کے مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے سرگرم نقیب بن چکے تھے اور اس کے بعد وہ اپنے اس نظریے سے کبھی منحرف نہ ہوئے۔ چنانچہ مسلم قومیت کے اس مسئلہ پر مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے انہیں امام العصر کا لقب دیا۔ اقبال مولانائے موصوف کے نام اپنے تشکر آمیز خط مورخہ ۲۷ جولائی ۱۹۳۳ء میں اس بات پر افسوس کرتے ہیں کہ لوگ حب وطن اور سیاسی نظریہ وطن کا فرق نہیں سمجھتے:

> آپ نے اپنے پہلے خط میں "وطنیت" کے اصول پر اسلام کے اصول اجتماعی کو ترجیح دینے میں مجھے "امام العصر" کہا ہے جس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ ایک نیشنلسٹ اخبار جس کا پہلا نمبر لاہور سے آج ہی نکلا ہے، لکھتا ہے کہ اقبال نے "وطنیت" کا عذر لنگ تراشا ہے۔ دیکھا مغربی کالجوں کے پڑھے ہوئے مسلمان نوجوان روحانی اعتبار سے کتنے فرومایہ ہیں۔ ان کو معلوم نہیں کہ اسلامیت کیا ہے اور "وطنیت" کیا چیز ہے۔ "وطنیت" ان کے نزدیک ایک لفظ کا محض ایک مشتق ہے اور بس [۳]۔

یورپ سے مراجعت کے بعد اقبال کی ۱۹۰۸ء اور ۱۹۰۹ء کے لگ بھگ کی شعری تخلیقات میں دو نظمیں قابل توجہ ہیں: وطنیت اور قومی ترانہ۔ وطنیت، سیاسی اعتبار کے نظریہ وطنیت اور حب وطن کا امتیاز واضح کرتی ہے۔

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے ۔۔۔ ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے ۔۔۔ تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے

خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے　　　کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے　　　قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے[۴]

نظریہ وطنیت کا بانی فلارانس (اٹلی) کا نفاق آموز سیاسی مفکر میکیاولی بتایا جاتا ہے جس کی کتاب "دی پرنس" اٹھارویں صدی عیسوی سے سیاسی امور میں دین و دنیا کی جدائی اور خود غرضی اور عیاری سکھاتی رہی ہے۔ اقبال نے اپنی فارسی مثنوی رموز بیخودی میں میکیاولی کے حوالے سے نظریہ وطنیت پر انتقاد کیا ہے:

دہریت چوں جامۂ مذہب درید　　　مرسلے از حضرت شیطاں رسید
آں فلارنساوی باطل پرست　　　سرمہ او دیدہ مردم شکست
نسخۂ بہر شہنشاہاں نوشت　　　در گل ما دانۂ پیکار کشت
فطرت او سوئے ظلمت بردہ رخت　　　حق ز تیغ خامۂ او لخت لخت
بت گری مانند آزر پیشہ اش　　　بست نقش تازہ اندیشہ اش
مملکت را دین او معبود ساخت　　　فکر او مذموم را محمود ساخت[۵]

یعنی بے دینی نے جب انسان کو بے آبرو کر دیا، تو شیطان کی طرف سے ایک "پیغامبر" آپہنچا۔ وہ فلورنس دروغ باز تھا جس کے سرمے نے لوگوں کو اندھا کر دیا۔ اس نے حکمرانوں کے لیے ایک کتاب (دی پرنس) لکھی (اور) ہم انسانوں کی زمین وجود میں جنگ و نزاع کا دانہ بو دیا۔ اس کی فطرت تاریکی کی طرف چلی (اور) اس کی شمشیر قلم سے صداقت ریزہ ریزہ ہو گئی۔ آزر کی طرح اس کا پیشہ بت گری تھا (اور) اس کی فکر نے ایک نیا پیکر تراشا۔ اس کے دین نے مملکت کو معبود بنایا۔ اس کی فکر نے بد کو خوب کر دکھایا۔

دوسری نظم ترانہ ملی کے گیارہ اشعار ہیں۔ ان اشعار میں گویا پوری تاریخ اسلام سموئی گئی ہے اور مسلمانوں کی عالمی قومیت کو اجاگر کیا گیا ہے کہ:

چین و عرب ہمارا، ہندوستاں ہمارا　　　مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا
دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا　　　ہم اس کے پاسباں ہیں، وہ پاسباں ہمارا
باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم　　　سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا ؎ سالار کارواں ہے میر حجازؐ اپنا [6]

۱۹۰۹ء میں اقبال نے انگریزی کے ایک بسوط مقالے میں اسلام کے اخلاقی اور سیاسی پہلو کو واضح کیا۔ اس مقالے میں اسلام کا زرتشتیت، بدھ مذہب اور مسیحیت وغیرہ سے تقابل کیا گیا اور نظام اسلام کی ممتاز اور جداگانہ خصوصیات بیان کی گئی ہیں [7]۔ ۱۹۱۰ء میں اقبال نے مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں ایک لیکچر دیا تھا جس کے اردو ترجمے کا عنوان "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" معروف ہے [8] برصغیر کے مسلمانوں کے جداگانہ قومی تشخص کو اجاگر کرنے کے ضمن میں یہ ایک اہم خطبہ ہے۔ اس سال انہوں نے افکار پریشاں (Stray Reflections) کے عنوان سے ایک نوٹ بک لکھنا شروع کی جس کے اجزاء ۱۹۱۷ء تک معاصر مجلوں میں شائع ہوتے رہے۔ اب تک یہ ڈائری تین [9] بار شائع ہو چکی ہے اور اس کے اردو [10] وفارسی [11] تراجم بھی طبع ہو گئے۔ اس کے بعض سیاسی نکات بھی اہم ہیں مثلاً اقسام حکومت، خودی (شخصیت) اور بیخودی (حیات ملی) اور برصغیر کے مسلمانوں کی جداگانہ قومیت۔ اقبال کے نزدیک برصغیر میں دو قومی نظریے یا مسلم قومیت کا بانی تیموری شہنشاہ محمد اورنگزیب عالمگیر [12] (م ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء) تھا۔ اس حکمران کے بارے میں مثنوی رموز بیخودی میں توحید کی ضمنیات کے بیان میں اقبال نے لکھا ہے:

درمیان کارزار کفر و دیں ترکش مارا خدنگ آخریں
تخم الحادے کہ اکبر پرورید باز اندر فطرت دارا دمید
شمع دل در سینہ ہا روشن نبود ملت ما از فساد ایمن نبود
حق گزید از ہند عالمگیر را آں فقیر صاحب شمشیر را
از پے احیائے دیں مامور کرد بہر تجدید یقیں مامور کرد [13]

یعنی (اورنگزیب عالمگیر) کفر و دیں کے میدان جنگ میں ہمارے تیر دان کے آخری تیر تھے۔ بے دینی کے جس بیج کی اکبر نے پرورش کی، وہ دوبارہ دارا (بن شاہجہان) کی فطرت میں آپھوٹا۔ دل کی شمع سینوں میں روشن نہ رہی اور ہماری قوم فساد ایمان سے محفوظ نہ رہ سکی۔ (اصلاح کے لیے) خدا نے صاحب شمشیر درویش عالمگیر کو برصغیر ہند سے منتخب کیا۔ اسے دین کے زندہ کرنے اور ایمان کی حیات نو کے لئے متعین فرمایا۔

عالمگیر نے مسلمانوں کی برصغیر میں اقلیت سے قطع نظر یہاں شرع اسلامی نافذ کردی تھی اور اقبال کو یہ بات پسند تھی۔

نظریہ پاکستان:

نظریہ پاکستان کی ابتدائی توضیحات حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کے بیانات و خطبات میں ملتی ہیں یا علامہ اقبالؒ کی تصانیف میں۔ مثنوی اسرار خودی (طبع اول، ۱۹۱۵ء) اقبال کا بنیادی فلسفہ واضح کرتی ہیں، فلسفہ خودی، سیاسی تفکر سے عاری نہیں۔ خودی، فرد کی نشوونما کے اصول بتاتی ہے اور بیخودی ملت اسلامیہ کے اصول اور ضوابط پیش کرتی ہے۔ یہ فارسی مثنویاں عالمی اپیل رکھتی ہیں مگر انہیں ایک مسلمان اور مسلم معاشرے کے تقاضے سامنے رکھ کر لکھا گیا ہے۔ یوں یہ نظریہ پاکستان کی عملی تفسیر کہی جاسکتی ہیں۔ نامور اقبال شناس ڈاکٹر محمد رفیع الدین (یکم جنوری ۱۹۰۴ء تا ۲۹ نومبر ۱۹۶۹ء) نے اسی مناسبت سے اپنی تالیف "حکمت اقبال" میں لکھا ہے کہ فلسفہ خودی اس قابل ہے کہ وہ نفاذ اسلام کے سلسلے میں نظریاتی مملکت پاکستان کی پالیسی بنے۔ انہوں نے نظام تعلیم کے سلسلے میں لکھا:

> ... ہو نہیں سکتا کہ پاکستان ایک دینی ریاست تو بنے لیکن دین کی فلسفیانہ، حکیمانہ اور سائنسی توجیہ کو جو فلسفہ خودی کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے، کام میں نہ لائے اور اس فلسفہ کو اپنا نظریہ نہ بنائے۔ لہذا پاکستان وہ ملک ہے جہاں آئندہ کی عالمگیر ریاست کی داغ بیل ڈالی جاچکی ہے اور وہ زمانہ دور نہیں جب پاکستان کی نصابی کتب کے اندر خدا اور سائنس کے الحاق سے خودی کا علم اتنا عام ہوگا کہ حاکم و محکوم کی مرضیوں کے درمیان مکمل موافقت ہوگی[۱۴]...

نظریہ پاکستان کے سلسلے میں اقبال کے سات انگریزی خطبے، ان کا خطبہ الہ آباد ۱۹۳۰ء، مسلم کانفرنس کا خطبہ لاہور ۱۹۳۲ء، بانی پاکستان قائداعظم کے نام خطوط (۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۸ء) اور آخری مقالہ "جغرافیائی حدود اور مسلمان" (مارچ ۱۹۳۸ء) اہم تر ہیں، گو حضرت علامہ کے اس ضمن میں متعدد بیانات اور خطوط کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلے میں یہ نکتہ بھی پیش نظر

رہنا چاہیے کہ تحریک پاکستان کے ذکر میں تصور پاکستان، دو قومی نظریہ اور نظریہ پاکستان، تقریباً مترادف کلمات ہیں۔

معاصر تحریکوں سے تعرض اور عملی سیاست:

۱۹۰۸ء میں خلیفہ عثمانی عبدالحمید خان ثانی (۱۸۷۹ء-۱۹۰۸ء) کو ترک مزاحم احزاب نے معزول کر دیا اور خلافت عثمانی کا ضعف و اضمحلال اپنی انتہا کے قریب آپہنچا۔ چند سال کے اندر بلقانی ریاستوں نے ترکوں سے جنگ شروع کر دی اور یورپی اقوام نے بھی عثمانی مقبوضات پر حملہ کر دیا۔ ان میں اٹلی کا طرابلس پر حملہ شدید تر تھا۔ پھر پہلی عالمی جنگ کے دوران (۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء) ترکوں کو بھی جرمنی کی حمایت میں میدان میں اترنا پڑا۔ اس دوران خلافت عثمانی کے زیر اثر عرب ممالک انگریزوں اور ان کے حلیفوں کی شہ پر آزادی حاصل کرتے گئے۔ بعد میں جنگ کا نتیجہ بھی ترکوں کے خلاف نکلا جس کے نتیجے میں نظام خلافت خطرے میں پڑ گیا۔ برصغیر کے مسلمان ترکوں کی حمایت میں موثر آواز اٹھاتے رہے اور عالمی جنگ کے بعد انہوں نے تحریک تحفظ خلافت بھی قائم کی اور انگریزوں سے ترک موالات کرنے کا عہد کیا۔ خلافت اور ترک موالات کی تحریکوں سے سیاسی طور استفادے کی خاطر ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ دوسری طرف ترک رہنماؤں مصطفی کمال پاشا اتاترک (۱۹۲۳ء-۱۹۳۸ء) کی سرکردگی میں ترکی کی سیاسی ابتری کا ازالہ کیا اور ترک قومی اسمبلی نے ۱۹۲۳ء سے ترکیہ کو جمہوریہ قرار دے کر منصب خلافت کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ برصغیر کے مسلمان رہنما اس کے بعد بھی چند سال تک ترکی اور انگلستان وغیرہ کا سفر اختیار کرتے رہے کہ خلافت کی بحالی کی کوئی سبیل پیدا ہو سکے مگر ایسی کوششیں بے سود رہیں۔ اقبال مسلمانوں کا بہی خواہ ہوتے ہوئے، ان واقعات اور تحریکات سے بے نیاز نہیں رہ سکتے تھے۔ انہوں نے بلقانی ریاستوں کی یلغار، اٹلی کے حملہ طرابلس، عربوں کی مغربیوں کی پشت پناہی سے ترکی سلطنت سے علیحدگی، نظام خلافت کی بقا، تحریک خلافت میں ہندوؤں کی شرکت، ترک موالات کے نقصانات اور خلافت وفد کے بارے میں اپنے مکاتیب اور اشعار وغیرہ میں کافی لکھا ہے۔ خلاصہ یہ

ہے کہ وہ مسلمانوں کی شہامت و شجاعت سے خرسند تھے اور ان کے نفاق و بے اتفاقی پر نالاں۔ انہیں خلافت وفد کے انگلستان جانے پر بالخصوص اعتراض تھا کہ نظام خلافت کو ختم کرنے والوں سے ہی اس کی بحالی کی درخواست کی جائے۔ اقبال نے ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کی رکنیت قبول کی تھی مگر جلد ہی اس سے مستعفی ہوگئے۔ انہیں ہندوؤں کے اس مسئلے سے استفادہ کرنے کا شدید احساس تھا۔ اقبال نے ترک قائدین ازاں جملہ مصطفی کمال پاشا اتاترک کی شجاعت اور دیدہ وری کی داد دی اور ترکیہ کے جمہوریہ قرار دیے جانے اور نظام خلافت کے خاتمے کے فیصلے کو ترکوں کا ایک عمدہ "اجتہاد" قرار دیا۔ اس سلسلے میں بانگ درا حصہ سوم اور پیام مشرق میں کئی نظمیں ہیں جیسے فاطمہ بنت عبداللہ، غزہ شوال، جواب شکوہ، اسیری، خلافت، طلوع اسلام اور خطاب بہ مصطفی کمال پاشا۔ نثر میں ان کا خطبہ اجتہاد اور سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) کے نام ذیل کی تاریخوں کے مکاتیب دیکھے جائیں: ۲۷ ستمبر ۱۹۱۹ء اور ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء [15]۔

اقبال نے پہلی عالمی جنگ اور اکتوبر ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کے اثرات سے بھی تعرض کیا ہے مگر مذکورہ واقعات کے تناظر میں اقبال کا کوئی بارہ سالہ دور حیات (۱۹۱۱ء تا ۱۹۲۲ء) خاصے استغراق و انہماک کا نظر آتا ہے۔ اس دوران وہ شاذ و نادر ہی محافل میں شریک ہوئے یا گھر پر مجلس آرائی کی۔ احباب سے بھی ایک حد تک گریزاں رہے [16]۔ اس مدت میں انہوں نے فرد اور ملت کے بارے میں اپنے اعلیٰ تفکر کو دو فارسی مثنویوں اسرار خودی اور رموز بیخودی میں پیش کیا۔ بانگ درا حصہ سوم یعنی اس اردو دیوان کا نصف سے زیادہ حصہ اور پیام مشرق اسی دوران تخلیق ہوئیں، اس کے علاوہ اسرار خودی میں حافظ شیرازی اور تصوف اسلام کے بارے میں اپنے موقف کے دفاع میں انہیں کئی مبسوط خط اور مقالے لکھنے پڑے بلکہ تصوف پر ایک کتاب مرتب کرنے کے لئے چند باب بھی انہوں نے رقم کئے تھے جو اب شائع ہوگئے ہیں [17]۔

احباب ۱۹۲۳ء میں اقبال کو صوبہ پنجاب کی مجلس قانون ساز کی رکنیت دلا کر عملی سیاست میں وارد کرنا چاہتے تھے مگر اس سال وہ امیدوار دوستوں کا پاس خاطر کرتے ہوئے معرکہ انتخاب سے منحرف ہوگئے۔ ۱۹۲۶ء میں البتہ وہ انتخاب جیت کر تین سال کیلئے مقننہ پنجاب کے رکن رہے۔ پنجاب میں اس وقت شہری و دیہاتی آبادی میں "یونینسٹ پارٹی" کی حکومت تھی اور اقبال کے حامی

ارکان شاذ تھے ۔ تاہم انہوں نے اپنی مدت رکنیت کے دوران مجلس کی کارروائی میں بھرپور حصہ لیا اور مفاد عامہ کے کئی قوانین وضع کروائے ۔ مجلس کے دوران کی ان کی منتخب تقریریں شائع ہو چکی ہیں ۔

خطبہ الہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء:

پاکستان کے تصور یا تحریک کے سلسلے میں یہ خطبہ بہت معروف ہے ۔ اسے گو اقبال نے ذاتی حیثیت میں پیش کیا مگر چوں کہ انہوں نے اسے آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے پیش کیا لہذا اس کی اہمیت میں کلام نہیں ۔ اس خطبے سے تقسیم ہند کی عقلی وجوہ بیان کی گئیں، ایک یا زیادہ اسلامی مملکتوں کی ضرورت بیان کی گئی، ایک ریاست کا قیام ان صوبوں کی آخری سرنوشت بتائی گئی جن میں اب پاکستان قائم ہے ۔ اور ایسی ریاست یا ریاستوں کے قیام کا امکان اس وقت کے تناظر میں سلطنت برطانیہ کے اندر یا اس کی حدود سے باہر ذکر کیا گیا ۔

کل ہند مسلم لیگ ۱۹۰۶ء میں قائم ہوئی ۔ علامہ اقبالؒ کے الہ آباد میں صدارتی خطبہ ارشاد فرمانے تک اس جماعت کی حیات کے ۲۴ سال گذر چکے تھے ۔ اس دواران برصغیر کئی سیاسی تحولات اور تبدیلیوں کا شاہد رہا ۔ مسلمانوں کا جداگانہ حق انتخاب کبھی انگریزوں اور ہندووں وغیرہم نے تسلیم کیا اور کبھی ایک یا دوسرے اور کبھی دونوں گروہوں نے اس کا انکار کیا اور مخلوط انتخابات پر اصرار کیا ۔ اس ضمن میں مسلم لیگ کی پالیسی بھی متزلزل ہوتی رہی ۔ اقبال البتہ مخلوط انتخابات کے کبھی حامی نہ ہوئے اس لیے وہ اپنے خطبے میں اس بات کی طرف ناقدانہ اشارہ کرتے ہیں ۔ میثاق لکھنؤ (۱۹۱۶ء) سائمن دستوری کمیشن جس کی رپورٹ ۱۹۳۰ء کے وسط میں شائع ہوئی (موتی چند)، نہرو رپورٹ، مسلم کانفرنس کی رپورٹ اور پہلی گول میز کانفرنس لندن کے خطبہ الہ آباد میں خصوصی حوالے ہیں ۔ پہلی گول میز کانفرنس ۱۲ ستمبر ۱۹۳۰ء کو شروع ہوئی اور ۱۹ جنوری ۱۹۳۱ء تک جاری رہی ۔ اس سلسلے کی دوسری اور تیسری کانفرنسوں میں علامہ اقبال نے بھی شرکت کی اور وہ علی الترتیب ستمبر ۱۹۳۱ء اور نومبر ۱۹۳۲ء میں شروع ہوئی تھیں ۔

یہاں اس قابل توجہ بات کا ذکر کر دیں کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کو پہلی دو گول میز

کانفرنسوں میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور علامہ اقبال کو دوسری اور تیسری گول میز کانفرنسوں میں شرکت کی۔ وزیر ہند کو حضرت قائداعظم کے سخت انتقاد کی شکایت تھی اور دوسری گول میز کانفرنس میں اقبال کی مسلسل خاموشی کی بھی۔ اس نے وائسرائے ہند کو لکھا کہ ان میں سے کسی کو بھی آئندہ کانفرنسوں میں مدعو نہ کیا جائے۔ قائداعظم کے بارے میں یہ اعتراض بھی کیا گیا تھا کہ وہ انگلستان میں مکان خرید کر یہاں مستقل سکونت اختیار کر کے اور پریوی کونسل میں پریکٹس کرنے لگے ہیں لہٰذا انہیں برصغیر کی سیاست سے واسطہ نہیں رہا۔ قائداعظم بعد میں ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو مستقل طور پر برصغیر میں منتقل ہو گئے مگر اس وقت وائسرائے، تیسری گول میز کانفرنس میں ان کے مدعو کئے جانے کے بارے میں وزیر ہند کو قائل نہ کر سکا۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی مرحوم کے تحقیقی خطبات کے بموجب اقبال کے بارے میں ذیل کی دلیل نے وزیر ہند کو قائل کر دیا اور اس نے وائسرائے کی حسب تجویز علامہ اقبال کو شرکت کا دعوت نامہ ارسال کر دیا تھا:

> اقبال کے متعلق وائسرائے نے وزیر ہند کو لکھا کہ آپ کو غالباً اندازہ نہیں کہ آج اقبال ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کا روحانی، معنوی اور سیاسی پیشوا ہے، بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کا نوجوان طبقہ تو اقبال کا پرستار ہے۔ جس جلسے میں بڑی بڑی مرقع اور پرجوش تقریریں ناکام رہ جائیں، وہاں اقبال کا ایک شعر کام کر جاتا ہے۔ مسلمانوں کی اقبال سے عقیدت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنے کسی قومی اجتماع کو اس وقت تک اپنی نمائندگی کا پروانہ عطا نہیں کرتے جب تک اقبال اس اجتماع کو اپنی شرکت کا فخر نہ بخشے...
> وائسرائے کی اس گزارش (سے)... اقبال کے بارے میں وزیر ہند کو اپنی رائے تبدیل کرنا پڑی اور انہیں تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی دعوت بھیج دی گئی[20]۔

اقبال نے خطبہ الہ آباد میں برصغیر کی سیاسیات کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا۔ انہوں نے لکھنؤ پیکٹ ۱۹۱۶ء کو سراہا مگر اس میں مخلوط انتخاب کی تجویز کو ہدف تنقید بنایا۔ پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی حکومت اپنی شہری و دیہی آبادی کی تحدید و تفریق کی بناء پر نشانہ ملامت بنی۔ انہوں نے سائمن کمیشن کے اس نقطہ نظر کو سراہا کہ برصغیر میں جداگانہ طریقۂ انتخاب نافذ ہو اور تقسیم ملک کے امکان پر غور کیا جائے۔ مگر اس رپورٹ کا مذموم پہلو یہ تھا کہ بنگال و پنجاب میں مسلمانوں کی واضح اکثریت کو نظرانداز کر کے انہیں اضافی سیاسی مراعات دینے کا انکار کیا گیا، اور اس میں برصغیر

کے سیاست دانوں میں سے کسی کو بطور رکن نامزد بھی نہ کیا گیا تھا۔ نہرو رپورٹ اور بھی قابل مذمت تھی کیونکہ اس میں مسلمانوں کے جداگانہ سیاسی جود کو ہی اہمیت نہ دی گئی تھی۔ ہندوؤں نے پہلی گول میز کانفرنس میں بھی اس حکمت عملی کو پیش نظر رکھا۔ اقبال نے فرمایا کہ اس طرح دونوں اقوام شک و بدگمانی کا شکار ہو رہی ہیں اور اس کا نتیجہ افتراق وجدائی ہوگا۔ اقبال نے حکومت برطانیہ پر سخت تنقید کی کہ اس نے بنگال اور پنجاب کے صوبوں کی واضح اکثریت سے چشم پوشی کر کے ان کے لیے اضافی سیاسی مراعات کا کوئی اہتمام نہ کیا۔ اس طرح سندھ، بمبئی پریذیڈنسی سے الگ کیا گیا نہ صوبہ سرحد میں آئینی اصلاحات کا نفاذ ہوا ہے۔ اقبال نے کہا کہ مسلم کانفرنس نے تقسیم ہند کی بات کی ہے اور وہ خود ذاتی حیثیت سے اس تجویز کو مسلم ریاست یا ریاستوں کے قیام کی تجویز و مطالبہ کی صورت میں آگے بڑھاتے ہیں۔

اقبال جداگانہ انتخابات کے نہایت شدت سے قائل رہے اور اسی لئے انہوں نے سائمن کمیشن سے کچھ تعاون کیا تھا مگر اس کمیشن میں اتنا اختلاف بڑھا کہ مسلم لیگ دولخت ہو گئی۔ ۱۹۳۰ء تک مسلم لیگ کی وحدت بہر طور بحال ہو گئی اور علامہ اقبال اس وقت مسلمان رہنماؤں کی ایک کانفرنس بلانے کی فکر میں تھے جسے اپر یا نارتھ انڈیا مسلم کانفرنس کا نام دیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں ۲۳ نومبر ۱۹۳۰ء کو انہوں نے اکابرین لاہور کا ایک ابتدائی نوعیت کا اجلاس برکت علی اسلامیہ ہال میں منعقد کیا جس میں یہ طے پایا کہ پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے مسلم زعماء پر مشتمل یہ کانفرنس منعقد کی جائے، تاکہ مسلم اکثریت والے صوبے معاصر حالات کے پیش نظر کوئی نیا لائحہ عمل پیش کر سکیں۔ ایسی کانفرنس کے لیے بنگال کے مسلمانوں کو ہر قسم کی مدد کا یقین دلایا گیا، مگر فاصلے زیادہ ہونے کی بناء پر انہیں اس طرف آنے کا پابند نہ کیا گیا، بعد میں جب سالانہ اجلاس کی صدارت کیلئے مسلم لیگ کی ہائی کمان نے علامہ اقبال سے التماس کی تو اس کانفرنس کی تیاری رک گئی۔ خطبہ الہ آباد میں حضرت علامہ نے مسلم اکثریتی صوبوں کو اپنے افکار سے آگاہ کر دیا مگر اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ چند سال بعد بھی مجوزہ کانفرنس کے انعقاد کی فکر میں رہے مگر ۱۹۳۳ء سے آخر تک ان کی مصروفیتیں اس کے لئے مانع رہیں اور ۱۹۳۴ء سے آغاز پذیر طویل بیماری ایسی سرگرمی کے لیے ان کے مزید سد راہ رہی۔

الہ آباد میں علامہ اقبال کل ہند مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرنے لاہور سے اپنے میہماندار سر محمد یوسف کے دولت خانے پر الہ آباد میں فروکش ہوئے۔ سر محمد یوسف کے ہاں قائداعظم نے بھی قیام کیا تھا۔ وہ قومی اسمبلی کے رکن اور ایک بار یو پی وزارت کے رکن رہے۔ علامہ اقبال کے ساتھ ان کے چند احباب بھی تھے جیسے چوہدری محمد حسین۔ مسلم لیگ کا یہ اجلاس "دوازدہ منزل" نام کی ایک عمارت میں منعقد ہوا تھا۔ دوازدہ منزل اسے اس مناسبت سے کہتے تھے کہ اس حویلی کے بارہ دروازے ہیں۔ مسلم لیگ کا اجلاس جہاں منعقد ہوا وہاں ۱۹۷۷ء کو تاج شاہی نام کی عطریات کی دکان تھی مگر ۱۹۳۰ء میں وہاں تمبا کو بکتا تھا۔ مسلم لیگ، اقبال اور تصور اقبال (اسلامی ریاست) کا یہ پہلو کتنا دلآویز ہے کہ تمبا کو کی جگہ عطریات نے لے لی۔ پھر یہ بات بھی قابل توجہ رہے کہ دوازدہ منزل کے اطراف میں مسلمانوں کی کچھ آبادی ہی، مگر اساساً یہ ہندو نشیں شہر ہے اور نہرو خاندان کا گڑھ۔ وہاں اقبال نے ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کی مخلصانہ صدا بلند کی تھی دوازدہ منزل مرکز شہر میں شیر شاہ سوری کی بنوائی ہوئی شاہراہ پر واقع ہے۔ اس کے مالک کوئی نعیم بخش ہیں جن کے دادا شیخ رحیم بخش مرحوم نے مسلم لیگ کے اجلاس کا اہتمام کیا تھا، دیگر منتظمین میں مندرجہ ذیل افراد کا ذکر ملتا ہے:

پروفیسر ڈاکٹر سر شجاعت، بیرسٹر محمد حسین ممبر کونسل آف سٹیٹ، اور بیرسٹر ظہور احمد ممبر آل انڈیا مسلم لیگ۔ یہ تین چار حضرات اسٹیج پر بیٹھے تھے۔ مکانی ماحول ایسا تھا کہ دوازدہ منزل کے ہال میں کوئی ۱۲۰۰ کرسیاں سما سکتی تھیں۔ مگر اس وقت حاضرین کی بمشکل نصف تعداد موجود تھی۔ غالباً پہلی گول میز کانفرنس کے انعقاد اور قریب الایام سیاسی خلفشار نے مسلمانوں کو بے توجہ اور شکستہ خاطر بنا رکھا تھا اور زیادہ افراد جمع نہ ہو سکے تھے[۲۱]۔

خطبہ اقبال کا بڑا حصہ فیڈرل اور وحدانی طرز حکومت نیز دفاع کے سلسلے میں ہے اقبال اپنی تجویز کے عمل پذیر ہونے تک، اس وقت کے حالات کی حساسیت کے پیش نظر، فیڈرل طرز حکومت کے حامی تھے، مگر اس فیڈریشن میں مسلمانوں کی آواز کو مؤثر دیکھنا چاہتے تھے اور ان کے حقوق کے محافظ ہونے کے متمنی تھے۔ انہوں نے سائمن کمیشن اور دیگر حکومتی اداروں کو فیڈرل اور وحدانی اسکیموں کی خامیاں گنوائیں اور اصلاحات تجویز کیں۔ انہوں نے مسلمانوں کی دفاعی صلاحیتوں کا

اعداد و شمار کی مدد سے بھرپور ذکر کیا اور انگریزوں اور ہندوؤں کو مطمئن کرنے کی سعی کی کہ مسلمان پرامن اور فرض شناس سپاہ کے طور پر ہندوستان کا دفاع کریں گے ۔ مجوزہ اسلامی ریاست ہمسایہ مسلم ممالک سے ساز باز کرکے ہندوؤں پر حملہ آور نہ ہوگی بلکہ بیرونی فوجی اور نظریاتی ہر دو قسم کے تہاجمات کا دفاع کرے گی ۔ یہ کلمات کس قدر ایمان افروز اور معمور حقیقت ہیں ۔ ہند پر آزادی کے بعد ۴۷ سال کے عرصے میں راہ پاکستان سے کوئی حملہ آور نہیں ہوا ۔ بلکہ پاکستان غیر اسلامی نظریات کے خلاف حصن حصین ضرور رہا ہے ۔

دسمبر ۱۹۷۹ء میں روسی توسیع پسند اشتراکیوں نے افغانستان کو ہدف تہاجم کیا تو پاکستان نے سالہا سال تک اپنے برادر ہمسایہ افغانوں کا ساتھ دیا ۔ اتفاق دیکھیے کہ اقبال نے ۱۹۳۳ء میں آرزو کی تھی کہ کاش اشتراکی فتنہ روکنے کی خاطر افغانستان اور وسط ایشیا کے درمیان کوئی ایک مسلم حکومت قائم ہوسکے اور اب[۲۲] بطن ایشیا سے چھ نو آزاد مسلم ممالک نمودار ہوگئے ہیں ۔

اقبال نے اس جلسے میں سرحد میں اصلاحات نافذ نہ کرنے پر برطانوی حکومت سے احتجاج کیا مگر بعد کی حکومتیں بھی اس صوبے کو اصلاحات عطا کرنے میں خاصے بخل سے کام لیتی رہی ہیں ۔ سندھ کے بمبئی سے الگ کیے جانے کے بارے میں بھی علامہ مرحوم نے اس خطبے میں صدا بلند کی ۔ یہ صدا ۱۹۳۶ء میں مؤثر اور عملی ہوئی ۔ اپنے خطبے کے اس جزو میں بھی اقبال نے غیر معمولی پربصیرت باتیں ارشاد فرمائیں ۔ مثلاً یہ کہ سندھ اور بمبئی انمل ہیں اور بندرگاہ کراچی کے ترقی کرنے تک سندھ کی زرعی معیشت کی حالت خراب رہے گی ۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک دن بمبئی اور کراچی کی بندرگاہوں میں رقابت ہوسکتی ہے اور شہر کراچی برصغیر کا دوسرا بڑا شہر بنے گا ۔ کہا جاتا ہے کہ بال جبریل کی ایک غزل کا مندرجہ ذیل مطلع بھی کراچی کی پیش رفت کے سیاق میں ہے اور ۱۹۴۷ء تک ادنیٰ شہر بننے والے ایک مقام کے بارے میں یہ پیش گوئی ایک عمیق جہاں بینی ہے ۔ دیکھیں اس شعر کی مختلف شروح بال جبریل میں تشریح:

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

اس کے علاوہ سندھ کی عربی نما حیثیت کے بارے میں جو کچھ اقبال نے ارشاد فرمایا وہ بڑا خوش آئند ہے

... شاہی سائمن کمیشن کو بھی اعتراف ہے کہ اہل سندھ کی زندگی اور ان کا تمدن عراق اور عرب کے مشابہ ہے نہ کہ ہندوستان سے ۔ مشہور مسلمان جغرافیہ دان مسعودی نے آج سے بہت پہلے عرب اور سندھ کی مشابہت کا ذکر کر دیا تھا ۔ اس نے لکھا ہے کہ سندھ ، مملکت اسلامی سے قریب تر ہے ۔ پہلے اموی خلیفہ کا مصر کے بارے میں قول تھا کہ اس کی پشت افریقہ کی طرف ہے اور رخ عرب کی طرف ۔ اس قول کو سندھ کے بارے میں مناسب انداز سے بدلا جاسکتا ہے کہ اس کی پشت ہند کی طرف ہے اور رخ وسط ایشیا کی طرف... [۲۳]

اقبال نے اس خطبے میں ارشاد فرمایا کہ وہ کسی سیاسی رہنما یا جماعت کے پیرو نہیں ۔ان کی بصیرت دین اسلام کی تعلیمات کے مطالعہ اور غور و فکر کی مرہون منت ہے ۔ انہوں نے دین کو ایک زبردست محرک اور قوت بتایا ۔ اپنی شاعری میں بھی انہوں نے یہ باتیں ارشاد فرمائی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ دین انسان کو مایوس نہیں ہونے دیتا ۔ بزبان شعر دیکھیے:

آشکارا ہیں مری آنکھوں پہ اسرار حیات ۔۔۔ کہہ نہیں سکتے مجھے نومید پیکار حیات
کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے ۔۔۔ ہے بھروسا اپنی ملت کے مقدر پر مجھے
یاس کے عنصر سے ہے آزاد میرا روزگار ۔۔۔ فتح کامل کی خبر دیتا ہے جوش کارزار [۲۴]

اپنی خوش بینی کے باوجود گول میز کانفرنس میں حکمرانوں اور ہندو اکثریت کے مخاصمانہ رویے کی بناء پر اقبال کو برصغیر کا آئینی مسئلہ حل ہونے کی امید نہ تھی ۔ اقبال کے خطبہ صدارت ارشاد کرنے کے ۳ ہفتے بعد (۱۹ جنوری ۱۹۳۱ء) تک پہلی گول میز کانفرنس جاری رہی ۔۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء میں منعقد ہونے والی دوسری اور تیسری کانفرنس میں اقبال بھی شریک ہوئے مگر سب مباحث بے حاصل رہے اور آخر حکومت برطانیہ نے از خود ۱۹۳۵ء کا قانون بنوایا اور نافذ کیا ۔

اقبال مفکر اسلام تھے اس خطبے میں ازاول تا آخر انہوں نے روح اسلام کے مطابق بات کی ہے ۔ تین آیات کا تو انہوں نے بالصراحت حوالہ دیا ہے: ایک جس میں اہل کتاب کو دعوت توحید دی گئی [۲۵] ۔ دوسری وحدت انسانی کی مظہر ہے [۲۶] جس سے اقبال نے شعر میں بھی استناد کیا [۲۷] اور تیسری جس سے انہوں نے خودی اور بے خودی کا فلسفہ اخذ کیا ۔ اس آخری آیت پر انہوں نے خطبہ ختم کر دیا ۔ آیہ مبارکہ کا ترجمہ ہے:

"اے اہل ایمان، تم پر اپنے نفوس کی حفاظت فرض ہے۔جب تم راہ ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ شخص تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا" (۵:۱۰۵)

حسن خاتمہ

اقبال نے خطبے کا اصل حصہ پڑھ کر حسن خاتمہ کے طور پر چند نکتے ارشاد فرمائے جو آج بھی ہمارے لئے لمحہ فکریہ فراہم کر سکتے ہیں۔انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کا ایک المیہ یہ بتایا کہ ان میں رہبرانہ صلاحیت کا فقدان ہے۔۱۹۱۰ء میں انہوں نے علی گڑھ میں جو خطبہ ارشاد فرمایا اور جس کا ترجمہ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر، کے عنوان سے مشہور ہے اس میں بھی اس المیہ کا ذکر ہے مگر حضرت علامہ کے نزدیک اس بے استعدادی کے ذمہ دار برطانوی حکام تھے جو مسلمانوں کی صلاحیت کو پنپنے نہ دیتے تھے۔اقبال مسلمانوں کو تلقین کرتے ہیں کہ اچھے اور با استعداد افراد بننے کیلئے جدوجہد کریں۔ضمناً عرض کردیں کہ مسلمانوں کی بے استعدادی اور رہبرانہ صلاحیت کا فقدان اقبال کو ہمیشہ ملول کیے رہا۔چنانچہ ان کے بعد از وفات شائع ہونے والے مجموعے (ارمغان حجاز) میں بحضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم شاعر یوں عرض طراز نظر آتا ہے۔

هنوز این چرخ نیلی کج خرام است　　هنوز این کاروان دور از مقام است
زکار بے نظام او چہ گویم　　تو می دانی کہ ملت بے امام است [۲۸]

ترجمہ۔ابھی تک اس فلک نیلگوں کی چال غلط ہے اور ہنوز (برصغیر کے مسلمانوں کا) یہ قافلہ منزل سے دور ہے۔میں یہاں کے مسلمانوں کے غیر منظم کام کے بارے میں کیا عرض کروں۔آپ جانتے ہیں کہ یہ بے رہبر قوم ہے۔

اقبال فرماتے ہیں کہ حساس وقت میں سیاسی اختلافات مذہبی نزاعات سے زیادہ خطرناک اور تباہی انگیز ثابت ہوتے ہیں اس حوالے سے وہ دوسرا المیہ یہ بتاتے ہیں کہ مسلمان اتحاد و یک جہتی سے محروم ہیں۔انتشار اور پراگندگی نے ان کے قویٰ کو شل کر کے رکھ دیا ہے۔اقبال فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی موجودہ امت کو اپنے بقا کی فکر کرنا چاہیے۔خدائے تعالیٰ بے استعداد اور غافل

مدعیان ایمان کی جگہ بہتر انسان عالم وجود میں لے آتا ہے۔ رہا اسلام اور اس کے شعائر، تو وہ ابدی ہیں۔ مسلمانوں کو اسلام کی رسی مضبوطی سے پکڑ کر اپنی بقاء اور احیا کا سامان فراہم کرنا چاہیے۔ اسلام بہرحال زندہ پائندہ رہے گا۔ اس خطبے سے کوئی سترہ برس پہلے شاعر اسلام نے "جواب شکوہ" میں فرمایا تھا:

دیکھ کر رنگ چمن ہو نہ پریشاں مالی
کوکب غنچہ سے شاخیں ہیں نکلنے والی
خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی
گل برانداز ہے خون شہداء کی لالی
رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے
تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے [۲۹]

۱۹۳۲ء کا خطبہ لاہور

۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء کو علامہ اقبال نے مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے لاہور میں جو خطبہ ارشاد فرمایا اسے ان کے خطبہ الہ آباد کی ترقی یافتہ صورت کہا جاتا ہے۔ علامہ اقبال اس وقت تک دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کر کے لوٹے تھے اور اس خطبے میں انہوں نے ہندوؤں کے متعصبانہ رویے کی بناء پر پہلی اور دوسری گول میز کانفرنسوں کی صورت حال سے مایوسی کا اظہار کیا، اس خطبے میں انہوں نے برصغیر کے سیاسی مسئلے کا حل اپنے خطبہ الہ آباد میں مضمر سکیم کو بتایا۔ انہوں نے صوبہ سرحد اور ریاست میں مظالم بند کرنے کا مطالبہ کیا اور علماء سے التماس کی کہ وہ متحد رہیں۔ اس خطبے کے دو مختصر اقتباسات (بصورت ترجمہ) ملاحظہ فرمائیں:

> حب وطن بالکل طبعی صفت ہے اور انسان کی اخلاقی زندگی میں اس کے لیے پوری جگہ ہے۔ لیکن اصل اہمیت اس کے ایمان، اس کی تہذیب اور اس کی روایات کو حاصل ہے اور میری نظر میں یہی اقدار اس قابل ہیں کہ انسان ان کے لیے زندہ رہے اور ان ہی کے لیے مرے نہ کہ زمین کے اس ٹکڑے کے لئے جس سے اس کی روح کو کچھ عارضی ربط پیدا ہو گیا ہے...
>
> ہمارے نصب العین کا تعین ہو چکا ہے۔ ہمیں آئندہ دستور میں اسلام کے لئے ایک ایسی جگہ حاصل کرنی ہے جو آگے چل کر اس ملک میں اس کے مقاصد کی تکمیل میں مددگار

ثابت ہو ۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس مقصد کی روشنی میں، جماعت کی ترقی پذیر صلاحیتوں کو بیدار کیا جائے اور اس کی خوابیدہ قوتوں کو جھنجھوڑا جائے ۔ شعلۂ حیات مستعار نہیں لیا جاتا ۔ اسے تو خود اپنی روح کے معبد میں شعلہ در کیا جاتا ہے ۔[۳۰]

۱۹۳۵ء تک سرگرمیاں

۱۹۳۲ء کے اواخر میں علامہ اقبال نے تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی ۔ ہندوؤں کے متعصبانہ رویے نے مسئلہ ہند کے دستوری حل کی راہ بدستور مسدود رکھی ۔ اقبال کانفرنس کے ختم ہونے سے پہلے ہی لندن سے براہ فرانس، اسپین روانہ ہوگئے ۔ انہوں نے ۱۹۳۳ء کے اوائل میں سپین کے اسلامی آثار دیکھے ۔ اس دوران ان کے اضطراب آمیز اشارے برصغیر کے مسلمانوں کے مستقبل کی فکر سے مربوط ہو سکتے ہیں:

کیونکر خس و خاشاک سے دب جائے مسلماں — مانا وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں
غرناطہ بھی دیکھا مری آنکھوں نے، و لیکن — تسکین مسافر نہ سفر میں، نہ حضر میں
دیکھا بھی دکھایا بھی سنایا بھی سنا بھی — ہے دل کی تسلی نہ نظر میں نہ خبر میں[۳۱]

آب روان کبیر! تیرے کنارے کوئی — دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالم نو ہے ابھی پردہ تقدیر میں — میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب
پردہ اٹھا دوں اگر چہرہ افکار سے — لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب[۳۲]

۱۹۳۳ء میں انہوں نے مسلمانوں کے جداگانہ حق انتخاب کی ہر حال میں عمل پذیری کے بارے میں بیانات دیئے ۔ ایک بیان صریح انہوں نے دسمبر ۱۹۳۳ء کو پنڈت جواہر لعل نہرو کے خلاف دیا ۔ اقبال نے پنڈت سے استفسار کیا کہ ہندوؤں کے متعصبانہ رویے کے پیش نظر مسلمان تقسیم ہند کے مطالبے سے وابستگی دکھانے کے علاوہ اور کیا طرز عمل اختیار کریں؟ مسلمانوں کے حقوق اور ان کی جداگانہ تشخص سے غیر معمولی متمتک ہونے کی بناء پر زیر بحث سال میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے علامہ اقبال کو "امام العصر" کا معنی خیز لقب دیا تھا ۔ پروفیسر خورشید احمد نے اس ضمن میں لکھا ہے:

... بیسویں صدی عیسوی کے اسلامی روپ کی سب سے اہم شخصیت علامہ اقبال ہیں ۔

> اسلامی فکر کی تشکیل جدید اور وقت کے فکری اور جذباتی رجحان کو تبدیل کرنے میں ان کا حصہ سب سے نمایاں ہے۔ اس بناء پر ہم ان کو دینی ادب کے دور جدید میں تجدید کی روایت کا بانی اور بیسویں صدی میں ملت اسلامیہ ہندوستان کے ذہن کا اولین معمار قرار دیتے ہیں.... اقبال نے ایک طرف دینی فکر کی تشکیل نو کی اور اسلامی قومیت کے تصور کو نکھارا اور دوسری طرف ملی غیرت اور جذبہ عمل کو بیدار کیا۔ انہوں نے مغربی افکار کے طلسم کو توڑا اور قوم کو تمدنی اور سیاسی اعتبار سے اسلام کی راہ پر گامزن کرنے میں راہنمائی دی۔ یہی اقبال کا اصل کارنامہ ہے.... [۳۳]

۱۹۳۴ء کے اوائل سے اقبال کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ سلسلہ ان کی وفات (۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء) تک جاری رہا لیکن ان کی ادبی و سیاسی سرگرمیوں پر اس کے اثرات بد قطعاً ظاہر نہیں۔ وہ بدستور سرگرم عمل رہے اور ان کا فکری ارتقاء جاری رہا۔

مکاتیب بنام قائداعظم

علامہ اقبال کے کوئی دو درجن مکاتیب دستیاب ہیں جو انہوں نے ۱۹۳۶ء تا ۱۹۳۸ء کے دوران قائداعظم محمد علی جناح کو لکھے تھے۔ قائداعظم اصولاً ۱۹۳۵ء سے اقبال کی اسکیم سے متفق تھے گو انہوں نے اس کا اعلان مصلحتاً ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء سے قبل نہ کیا [۳۴]۔ اقبال کے یہ خطوط تحریک و نظریہ پاکستان کی اہم دستاویزات میں سے ہیں۔ ان میں مسلم لیگ کی تنظیم نو، مسلم ریاست کے قیام اور اس میں نظام اسلام کے نفاذ اور دیگر متعلقہ امور کے بارے میں اقبال کی صائب راہنمائی مشہور ہے۔ قائداعظم نے ان خطوط کے حوالے سے اور دیگر امور کے اشارات کی روشنی میں علامہ اقبال کی راہبری کی غیر معمولی توصیف کی ہے [۳۵]۔

آخری مقالہ اقبال

۳ مارچ ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال کا مبسوط مقالہ (جو انہوں نے املا کروایا) جغرافیائی حدود اور مسلمان، کے عنوان سے انگریزی اور اردو متن میں شائع ہوا۔ یہ مقالہ مسلمانوں کے جداگانہ تشخص اور ان کی جداگانہ ریاست کے قیام کا آئینہ دار [۳۶] ہے۔ علامہ اقبال کی وفات کے بعد نظریہ پاکستان

کے سلسلے میں ان کی خدمات کو منحرف دکھانے کی خاطر بعض جعلی خطوط وضع کئے گئے مگر ان سب کی تردید کی خاطر حضرت علامہ کا یہی مقالہ کافی ہے۔ انہوں نے "مثنوی پس چہ باید کرد" (اشاعت اول ۱۹۳۶ء) میں مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔

از مقام خویش دور افتادۂ   کرگسی کم کن کہ شاہیں زادۂ
مرغک اندر شاخسار بوستاں   بر مراد خویش بندد آشیاں
تو کہ داری فکرت گردوں مسیر   خویش را از مرغکے کمتر مگیر
دیگر ایں نُہ آسماں تعمیر کن   بر مراد خود جہاں تعمیر کن [۳۷]

ترجمہ: تو اپنے مقام و مرتبے سے دور جا گرا۔ تو شاہین زادہ ہے اس لئے کرگس کے کام (مردار خوری) نہ کر۔ چھوٹا سا پرندہ بھی باغ میں اپنی خواہش کے مطابق گھونسلا بنا لیتا ہے۔ تو جو آسمانوں پر پرواز کرنے والی فکر رکھتا ہے، اپنے آپ کو اس پرندے سے بھی کم مرتبہ نہ جان۔ یہ افلاک نوگانہ نئے بنا اور اپنی خواہش کے مطابق ایک دنیا بنا۔

پاکستان، برصغیر کے مسلمانوں کا ایک دلخواہ آشیانہ ہی تو ہے۔ اسلامی نظریہ اپنائے جانے اور اسلامی نظام کے نفاذ کا ایک مامن و موطن اور حصن محکم یہی تو ہے مگر اس مملکت کے مخالف بانیان پاکستان کو مطعون کرنے سے کب چوکے ہیں؟

علامہ اقبال کے نظریہ پاکستان سے منحرف ہونے کا دبی زبان میں ذکر پنڈت جواہر لعل نہرو نے اپنی کتاب "دی ڈسکوری آف انڈیا" میں کیا ہے۔ ان کا مضحکہ خیز دعویٰ دیکھیں کہ تصور پاکستان اقبال کے مجموعی نقطہ نظر سے میل کھاتا نظر نہیں آتا۔ آنجہانی (پنڈت) کی یہ روایت ایڈورڈ تھامپسن (۱۹ اپریل ۱۸۸۶ء تا ۲۸ اپریل ۱۹۴۶ء) کی کتاب Enlist India for Freedom پر مبنی ہے جو ۱۹۴۰ء میں لندن سے شائع ہوئی۔ وہ لکھتے ہیں کہ اقبال نے مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے ۱۹۳۰ء میں تقسیم کی تجویز پیش کی تھی جبکہ ذاتی طور پر ان کے خیالات یہ نہ تھے۔ یہ بات اقبال کے ارشاد کے برعکس کہی گئی ہے۔ ۱۹۴۲ء میں اس انگریز مصنف کی ایک اور کتاب Ethical ideal in India Today لندن سے شائع ہوئی۔ اس میں وہ بے ثبوت اس موضوع پر اقبال کے خط کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے بموجب اقبال کے خیال میں قیام پاکستان برطانویوں، ہندوؤں اور مسلمانوں وغیرہ سب کے لئے نقصان دہ تھا [۳۸]۔

اقبال کی وفات کے کوئی دو سال بعد قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔ اس وقت اور اس کے بعد اپنی وفات (۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء) تک بانی پاکستان نے متعدد بار اقبال کی سیاسی خدمات و رہنمائی اور مفکر اسلام کی فکری ہم آہنگی کا ذکر کیا۔ ۱۹۴۱ء میں انہوں نے لکھا کہ ہر بڑی تحریک کا کوئی مفکر اور فلسفی ہوتا ہے اور تحریک پاکستان کے مفکر اور فلسفی علامہ اقبال تھے۔ قائداعظم نے لکھا ہے کہ پاکستان کے قیام کے بعد اس ملک کی معاشرتی، معاشی اور سیاسی تعمیر و تشکیل افکار اقبال کے مطابق ہوگی [۳۹]۔ ۱۹۴۳ء میں قائداعظم نے اپنے نام لکھے جانے والے خطوط اقبال متعارف کروا کر شائع کئے۔ ۱۹۴۴ء اور اس کے بعد حضرت موصوف نے متعدد مواقع پر اقبال کو خراج تحسین و عقیدت پیش کیا۔ اقبال نے جنوری ۱۹۳۸ء میں لاہور کی ملاقات کے دوران پنڈت نہرو کو بتایا تھا کہ وہ محمد علی جناح کو ہی قائد مسلمین مانتے ہیں لہٰذا ان خیر خواہان ملت کے بارے میں غلط فہمیاں پھیلانا بد باطنوں کا ہی کام ہے۔ میں ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کے خطبہ "تحریک پاکستان" کی اختتامی عبارت نقل کر کے ان معروضات سے فی الحال دست کش ہوتا ہوں۔ مرحوم نے پنڈت نہرو کے جنوری ۱۹۳۸ء میں لاہور آنے اور اقبال سے جاوید منزل میں ملاقات کرنے کے تناظر میں لکھا ہے:

> ... جب مسٹر جناح کی لیڈری کا ذکر چھڑا اور پنڈت نہرو نے مسٹر جناح کے طرز عمل پر کچھ دبی زبان میں اعتراض کیا تو علامہ مرحوم نے پنڈت جی کو مخاطب کر کے انگریزی میں فرمایا تھا:
>
> Jinnah is the only man who can deliver the goods on behalf of the Musalmans of India and I am merely his soldier.
>
> غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے انتقال سے صرف تین مہینے قبل جناح کو ہندوستان کے مسلمانوں کا واحد لیڈر مانتا ہے اور اپنے آپ کو فخر سے جناح کا ایک سپاہی قرار دیتا ہے اس کی ذات سے یہ الفاظ منسوب کرنا کہ پاکستان ہندوؤں، مسلمانوں اور برطانوی ہند تینوں کے لئے تباہی کا موجب ہوگا ایک ایسی ظالمانہ جرأت ہے جو صرف پنڈت نہرو اور ایڈورڈ ٹامسن جیسے لوگوں ہی سے ممکن ہو سکتی ہے... [۴۰]۔

حوالہ جات

۱۔ محمد ریاض، اقبال اور برصغیر کی تحریک آزادی، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۸۷ء، ص ۲۱

۲۔ جاوید اقبال، زندہ رود، جلد اول، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۹ء، ص ص ۱۳۶۔۳۷

۳۔ شیخ عطاء اللہ، اقبال نامہ، مجموعہ مکاتیب اقبال، حصہ اول، لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۴۵ء، ص ۲۴۲

۴۔ علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال (اردو)، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص ۱۸۸

۵۔ ایضاً (فارسی)، ص ص ۱۲۶۔۲۷

۶۔ ایضاً (اردو)، ص ۱۸۶

۷۔ Islam as a moral and Political Ideal ۔ یہ مقالہ الگ بھی شائع ہوا اور لطیف احمد شیروانی اور کئی دوسرے مرتبین کے مجموعہ ہائے مضامین اقبال میں موجود ہے۔

۸۔ عبدالواحد معینی اور محمد عبداللہ قریشی (مرتبین)، مقالات اقبال، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۸۲ء

۹۔ جاوید اقبال (مرتب)، Stray Reflections، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۶۱ء

۱۰۔ پاکستانی طبع کے اردو مترجم ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی ہیں (شذرات فکر اقبال، ۱۹۷۳ء) اور بھارت کی اشاعت کے ڈاکٹر عبدالحق (بکھرے خیالات) دہلی۔

۱۱۔ محمد ریاض، یاداشتہای پراگندہ اقبال، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء

۱۲۔ جاوید اقبال، حوالہ سابقہ، ص ۵۶

۱۳۔ کلیات اقبال (فارسی)، ص ص ۱۱۰۔۱۱

۱۴۔ محمد رفیع الدین، حکمت اقبال، لاہور: شیخ برکت علی اینڈ سنز، ۱۹۶۹ء، ص ۳۳۹ نیز دیکھیں چوہدری مظفر حسین، اقبال: نفاذ اسلام اور پاکستان، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۶۲۔

۱۵۔ شیخ عطاء محمد (مرتب)، اقبالنامہ، حصہ اول، لاہور، ۱۹۴۵ء میں ان تاریخوں کے خطوط موجود ہیں۔

۱۶۔ ایضاً، خط مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۲۳ بنام منشی سراج الدین اور کئی دوسرے خطوط۔

۱۷۔ صابر حسین کلوروی (مرتب)، تاریخ تصوف از اقبال، لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت ۱۹۸۵ء

۱۸۔ ۱۹۳۰ء میں چھ لیکچر لاہور سے شائع ہوئے تھے۔ ساتواں لیکچر انگلستان میں ۱۹۳۲ء میں دیا گیا اور کتاب ۱۹۳۴ء میں آکسفورڈ سے شائع ہوئی۔

۱۹۔ محمد ریاض، جاوید نامہ: تحقیق و توضیح، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۸۸ء، ص ۷

۲۰۔ خطبات بیاد اقبال، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۸۲ء، ص ۲۸

۲۱۔ مجلہ نقوش (اقبال نمبر)، لاہور، ستمبر ۱۹۷۷ء، مقالہ۔ از مختار زمن۔

۔ دیکھیں ترکستان کے بارے میں ۱۴ مئی ۱۹۳۳ء کا اقبال کا بیان جو ان کے بیانات کے سب مجموعوں میں موجود ہے۔

۲۳۔ لطیف احمد شیروانی (مترجم)، حرف اقبال (شامل ترجمہ خطبہ الہ آباد)، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۸۴ء، ص ص ۳۸۔۳۹

۲۴۔ کلیات اقبال (اردو)، ص ۳۹۶

۲۵۔ القرآن، ۳: ۶۴

۲۶۔ ایضاً، ۳۱: ۲۸

۲۷۔ جاوید نامہ (فلک عطارد)

آب و نان ماست زیک مائدہ
دودہ آدم کنفس واحدہ

۲۸۔ کلیات اقبال (فارسی)، ص ۹۱۴ (ارمغان حجاز)

۲۹۔ ایضاً (اردو)، ص ۱۰۲

۳۰۔ حرف اقبال، خطبہ صدارت آل انڈیا مسلم کانفرنس (خطبہ لاہور)

۳۱۔ کلیات اقبال (اردو)، ص ۳۹۶ (بال جبریل)

۳۲۔ ایضاً، ص ۳۹۲

۳۳۔ تاریخ مسلمانان پاکستان و ہند (مرتبہ)، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۱ء، جلد دہم، ص ص ۲۸۳۔۲۸۹

۳۴۔ روزنامہ پاکستان ٹائمز، ۲۱ اپریل ۱۹۵۵ء، مقالہ۔ از چودھری محمد علی

۳۵۔ دیکھیں شاہد حسین رزاقی، Discourses of Iqbal، میں قائداعظم کی ۱۹۴۱ء کی تقریریں

۳۶۔ مقالات اقبال یا اقبال کے بیانات اور مقالوں کے کسی انگریزی مجموعے کو دیکھیں۔

۳۷۔ کلیات اقبال (فارسی)، ص ۸۲۰

۳۸۔ خطبات بیاد اقبال، ص ص ۶۲۔۳

۳۹۔ Discourses of Iqbal کے آغاز میں حضرت قائداعظم کا مکتوب بنام شاہد حسین رزاقی۔

۴۰۔ خطبات بیاد اقبال، ص ۶۸

ادارہ کی مطبوعات

۱۔ گفتار قائد اعظم مرتبہ احمد سعید	۶۰روپے
۲۔ فاطمہ جناح: حیات و خدمات از ڈاکٹر آغا حسین ہمدانی	۸۰روپے
۳۔ حیات قائد اعظم: چند نئے پہلو از احمد سعید	۳۰روپے
۴۔ مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگزشت کابل مرتبہ غلام مصطفیٰ خان	۴۰روپے
۵۔ اسلام کی انقلابی علمی تحریک از عبید اللہ قدسی	۲۰روپے
۶۔ جمعیت العلماء ہند۔ دستاویزات (۲ جلدیں) مرتبہ پروین روز سینہ	۱۲۵روپے
۷۔ کتابیاتی اشاریہ پاکستان ۱۹۷۹ء مرتبہ شفیع النساء	۵۰روپے
۸۔ خاکسار تحریک اور آزادی ہند مرتبہ ڈاکٹر اے۔ ڈی مضطر	۱۲۰روپے
۹۔ کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد از مرزا شفیق حسین	۱۰۰روپے
۱۰۔ قائد اعظم اور راولپنڈی از منظور الحق صدیقی	۳۰روپے
۱۱۔ پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار از ایچ بی خان	۱۲۵روپے
۱۲۔ جنگ آزادی کے اردو شعراء از محمود الرحمان	۱۲۰روپے
۱۳۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس (۲ جلدیں) مرتبہ آغا حسین ہمدانی	۲۰۰روپے
۱۴۔ قائد اعظم کے رفقاء سے ملاقاتیں مرتبہ سید ذوالقرنین زیدی	۷۰روپے
۱۵۔ آہنگ بازگشت از محمد سعید	۱۱۰روپے
۱۶۔ سفرنامہ ابن بطوطہ مترجم پیرزادہ محمد حسین	۷۵روپے
۱۷۔ آزاد کشمیر ایک سیاسی جائزہ از مرزا شفیق حسین	۲۵۰روپے
۱۸۔ پیر صاحب مانکی شریف از وقار علی شاہ	۷۰روپے
۱۹۔ وارث شاہ: عہد اور شاعری از عذرا وقار	۴۵روپے